پاکستان میں عربی اور فارسی کی اہمیت

ڈاکٹر سید سجاد حسین
ترجمہ : محمد اظہار الحق

بو قلموں لسانی اور نسلی اکائیوں پر مشتمل کسی بھی ریاست میں قومی یکجہتی کا مسئلہ کچھ مشکلات کا حامل ہو سکتا ہے۔ کوئی نام رکھ دیں، مرکز گریز رجحانات سر اٹھانے لگتے ہیں اور علاقائی وابستگیوں کو قابو میں رکھنے والی قومی علامتیں مدھم ہونے لگتی ہیں۔ اس پر مستزاد اگر جغرافیائی بعد بھی ہو جیسا کہ پاکستان کے معاملے میں تھا تو یہ مرکز گریز رجحانات مضبوط تر ہوجاتے ہیں۔

قومی اتحاد کا تصور، فی الواقع، جذبات، روایتی وابستگیوں اور دیومالائی رشتوں کے تانے بانے پر مشتمل ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ قومی اتحاد کی تعریف ہمیشہ واضح ہو۔ وحدت کا احساس ایک تاریخی عمل کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے اور ایک مشترکہ زبان یا کلچر کے ساتھ وفاداری کی پیداوار بھی۔ اس وحدت کا احساس جہاں کہیں بھی کمزور پڑے گا قومی اتحاد کا ڈھانچہ ٹوٹ جائے گا اور قوم کا وجود، بحیثیت ایک متحدگروہ کے، باقی نہیں رہنے پائے گا۔ قومی اتحاد کے اجزائے ترکیبی خواہ وہ کسی نوع کے بھی ہوں بہرحال سلامت رہنے چاھئیں کیونکہ ان کی حفاظت سے اغماض اتحاد کی عمارت اور بنیاد دونوں کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ پاکستانی عوام کے اتحاد کی بنیاد مذہب، مشترکہ تاریخ کے احساس، مسلمانوں کی گزشتہ کامرانیوں پر افتخار اور کچھ مشترکہ تہذیبی اقدار پر ہے۔ تجزیہ کرنے سے معلوم ہوگا

کہ ان میں سے اکثر عوامل کے ڈانڈے ان اثرات سے ملتے ھیں جو عربی اور فارسی نے کلاسیکل زبانوں کی حیثیت سے چھوڑے۔ یہ زبانیں ھمارے ماضی میں اس حد تک رچی ھوئی ھیں اور ان کا اثر ھمارے کلچر میں اتنا نفوذ کر چکا ھے کہ ان کے بغیر پاکستان کے مستقبل کا کوئی تصور ذھن میں نہیں آتا۔ لیکن ملک کے موجودہ حالات ان زبانوں کی اھمیت کو نقصان پہنچا رھے ھیں۔ اس سے ایک زبردست نفسیاتی خلا پیدا ھو سکتا ھے۔

مجھے یوں محسوس ھو رھا ھے کہ اگر ھمارے نظام تعلیم کے موجودہ رجحانات کو بدلا نہ گیا تو بہت جلد ایک ایسی نسل آئے گی جسے کچھ خبر نہیں ھوگی کہ ان دو زبانوں نے ماضی میں ھمیں کیا دیا ھے۔ نتیجۃً وہ نسل مشترکہ اقدار کے اس پس منظر سے بھی بے خبر ھوگی جس کی علامت یہ دو زبانیں ھیں اور یہی میری رائے میں پاکستان کے اتحاد کے لئے حقیقی خطرہ ھوگا۔

اس ضمن میں کچھ سوال محتاط چھان بین کے متقاضی ھیں۔ اول۔ ھمیں اس بنیادی بات کا بغور جائزہ لینا ھوگا کہ جس چیز کو ھم اس ملک میں اسلامی کلچر کہتے ھیں، عربی اور فارسی زبانیں اس کا جزو لاینفک ھیں۔ دوم۔ ھمیں یہ یقین کرلینا چاھئے کہ کلاسیکل زبانوں کی حیثیت سے عربی اور فارسی زبانوں کا زوال اسلامی اقدار کا زوال ھوگا۔ سوم۔ یہ معلوم کرنا بہت ضروری ھوگا کہ کیا اس سائنسی عہد میں کلاسیکل زبانوں کی برتری کا احیاء ممکن ھے؟ چہارم۔ ھمیں یہ بھی مان لینا چاھئے کہ ھماری خواھش کے باوجود عربی اور فارسی زبانیں عوام کی ایک کثیر تعداد کی دسترس سے باھر ھی رھیں گی۔۔ اس صورت حال میں کیا ایسے ذرائع کی تشکیل ضروری

ہوگی جن سے عربی اور فارسی میں محفوظ تہذیبی میراث ان لوگوں تک پہنچائی جائے جنہیں ان زبانوں کے مطالعہ کا وقت یا موقعہ نہیں ملتا ۔

میرے خیال میں قومی یکجہتی کے نقطہ نظر سے عربی اور فارسی کی اہمیت پاکستان کے لئے اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی یونانی اور لاطینی زبانوں کی اہمیت ایک جدید یورپی ریاست کے لئے ہے۔ اس کی مختلف وجوہ ہیں ۔ اگرچہ یونانی اور لاطینی زبانوں کے حوالے کے بغیر یورپی کلچر کی اصلیت کو سمجھنا ناممکن ہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ یورپی اقوام کے درمیان قومیت کی دیواریں اتنی گہری بنیادوں پر کھڑی ہو چکی ہیں کہ محض یونانی اور لاطینی زبانوں کے علم کا فقدان ان کے اندرونی اتحاد کے لئے خطرہ نہیں بنے گا۔ مثلاً فرانس، اٹلی، اسپین اور پرتگال میں سے ہر ملک ایک علیحدہ قومی اکائی ہے ۔ دنیا کے اس حصہ میں جہاں یہ آباد ہیں سیاسی سرحدیں لسانی سرحدوں سے کم و بیش ہم آہنگ ہیں ۔ یہ سب، کلاسیکل زبانوں کے احسانات کے معترف ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک نے ایک واضح قومی تشخص پیدا کر لیا ہے جو بہت سے عناصر سے مل کر بنا ہے ۔ اگر فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی یا پرتگالی لوگ کلاسیکل زبان پر توجہ دینا ترک کردیں تو بھی اس خطرہ کا کوئی امکان نہیں ہوگا کہ فرانس اٹلی، اسپین یا پرتگال کے تشخص آج کی دنیا میں گڈمڈ ہوجائیں ۔ دوسرے الفاظ میں یورپ میں قومیت پختہ ہوکر مضبوط اور خود مختار ہوگئی ہے ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے پاکستان جیسے ملک کو اس قسم کا استحکام یعنی مقامی وابستگیوں سے مبرا استحکام حاصل نہیں ہے، چنانچہ متحد کرنے والے عامل کے طور پر کلاسیکل زبانیں جو کردار ادا کرتی ہیں اور کرسکتی ہیں خاصا بڑا ہے ۔ اس ملک میں کلاسیکل زبانوں کے اثر نے دو پہلوؤں سے اپنا کردار

ادا کیا ہے۔ اول۔ یہاں عوام کا ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو عربی اور فارسی زبانیں جانتا ہے اور ان سے متاثر ہوا ہے۔ نتیجۃً مشترکہ حوالوں کا ایک ڈھانچہ اس طبقے کو ایک ہونے کا احساس دیتا ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جہاں ان کے مفادات ٹکرا رہے ہوں وہاں بھی ابلاغ اور افہام و تفہیم کا مسئلہ لا ینحل نہیں ہوتا۔ دوم۔ اس طبقہ کے اثر و رسوخ اور ماضی میں ان دونوں زبانوں کو حاصل شدہ بلند مقام نے ایک ایسی فضا تیار کردی ہے کہ عربی اور فارسی سے نابلد لوگ بھی ان زبانوں کو اور ان سے وابستہ تہذیبی اقدار کو مقدس سمجھتے ہیں۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے جد و جہد پاکستان کے دوران برصغیر میں پھیلے ہوئے مختلف النوع گروہوں کو ایک لڑی میں منضبط کر دیا تھا۔ اور مدراس کے مسلمانوں کو بنگال، بہار، یوپی اور پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ ایک بندھن میں باندھ دیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جغرافیائی بنیادوں پر پاکستانی قومیت جو بہت آہستگی سے مضبوط ہو رہی ہے اس قدر طاقتور ہو گئی ہے کہ متحد رکھنے والی قوت کی حیثیت سے اب عربی اور فارسی کی کوئی ضرورت نہیں رہی ؟

پاکستان میں پرائمری اور ثانوی تعلیم کے نصاب پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نصاب میں ان زبانوں کی عدم شمولیت ایک ایسا نفسیاتی خلا پیدا کر رہی ہے جسے دوسرے مضامین نہیں پر کر سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بچوں کو مشترکہ ادبیات عالیہ کا مطالعہ کرایا جائے۔ یہ مطالعہ غیر شعوری طور پر کچھ بنیادیں فراہم کرے گا جن پر ایک طرز زندگی استوار کیا جا سکتا ہے۔ یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ عربی اور فارسی

کی حد درجہ اہمیت کے باوصف وہ عوام کی ایک کثیر تعداد کی پہنچ سے باہر ہی رہیں گی۔ لیکن تین اقدامات ایسے ہیں کہ جنہیں کرنے سے صورت حالات بدلی جا سکتی ہے۔ اولاً ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اسکول میں یہ زبانیں ایک خاص سطح تک لازمی مضامین کی حیثیت سے پڑھائی جائیں۔ تاکہ اسکول میں پڑھنے والے تمام بچے عربی اور فارسی کا کچھ نہ کچھ علم ضرور حاصل کر سکیں۔ ان میں سے کچھ طلبہ ثانوی تعلیم کے بعد بھی ان زبانوں کی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابتداء میں ان مضامین کو لازمی سطح پر پڑھا یا گیا ہو۔ واضح رہے کہ اس وقت عربی اور فارسی کی حیثیت لازمی مضامین کی نہیں۔ ثانیاً، یونیورسٹی کی سطح پر یہ اجازت کسی کو نہیں ہونی چاہئے کہ تاریخ اور اسلامی تاریخ جیسے مضامین اِن زبانوں کے علم کے بغیر پڑھ سکے۔ جنرل ہسٹری کے لئے فارسی اور اسلامی تاریخ کے لئے عربی سے واقفیت لازمی ہونی چاہئے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ یونیورسٹیاں ان زبانوں علم کے پر قطعاً اصرار نہیں کرتیں۔ حتی کہ ریسرچ کے میدان میں بھی ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ صورت حال یقیناً افسوسناک ہے۔ ہم ان مضامین میں ایم۔ اے۔ اور تحقیق کی ڈگریاں ایسے طلبہ کو دے رہے ہیں جو عربی اور فارسی کا ایک فقرہ نہیں پڑھ سکتے۔

ثالثاً ہمیں معیاری تراجم کے ذریعے عربی اور فارسی کا ادبی ورثہ پھیلانا ہوگا۔ اس وقت ایسے تراجم بہت کم ہیں۔ جو لوگ ان زبانوں کے کلاسکس کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی قابل ذکر حوصلہ افزائی بھی نہیں کی جاتی۔ طبعزاد تخلیقات کو انعامات اور ایوارڈز سے نوازنا مستحسن اقدام ہے لیکن ترجمہ کرنے والوں کو انعامات کا مستحق نہ سمجھنا افسوسناک

ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکثر کلاسکس کا ترجمہ نہیں ہو پایا اور ایک عام قاری جو عربی اور فارسی سے نابلد ہے لیکن ان زبانوں کے ادب میں دلچسپی رکھتا ہے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ اس کے لئے عربی اور فارسی کلاسکس کے شستہ انگریزی تراجم پڑھنا آسان ہے۔ کچھ مستثنیات یقیناً موجود ہیں۔ عمر خیام کی رباعیات بجا طور پر مقبول عام ہیں اور ان کا بار بار ترجمہ ہوا ہے لیکن فردوسی، حافظ، رومی یا الف لیلہ کا کوئی قابل ذکر ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کچھ کلاسکس کے ترجمے کئے گئے ہیں لیکن وہ اتنے بلند پایہ نہیں کہ پڑھے جائیں یا انھیں پڑھ کر مزید عربی اور فارسی پڑھنے کو دل چاہے۔

اب اس صورت حال کا موازنہ یورپ سے کریں۔ تحریک احیائے علوم کے عہد سے لے کر آج تک ہر ملک کے علماء کلاسیکی ادب کا بہترین انتخاب تراجم کے ذریعہ عام قاری تک پہنچا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ تراجم بذات خود کلاسک بن گئے ہیں۔ صرف انگلستان کی مثال لیں۔ چیپ مین کا ہومر کا ترجمہ جو سولہویں صدی میں ہوا آج عہد الزبتھ کی تحریروں کے نمونہ کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح پوپ نے اٹھارویں صدی میں ہومر کا جو ترجمہ کیا تھا وہ آج بھی انگریزی کی کلاسیکی شاعری کا گراں بہا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ انگلستان میں آج کے زمانے کا عام قاری یہ تراجم نہیں پڑھتا۔ اگر اسے ہومر میں کوئی دلچسپی ہو تو وہ غالباً پن گوئن کے تراجم پڑھے گا۔ لیکن اس ضمن میں اہم نکتہ یہ ہے کہ کلاسیکی علماء کی نسل در نسل کاوشوں نے اس عام شعور کو زندہ رکھا ہے کہ یورپ، یونان اور روم کا مرہون احسان ہے۔ آج کے یورپ میں یونانی اور لاطینی زبانیں جاننے والے لوگوں کی

تعداد اٹھارویں صدی کی نسبت بہت کم ہے - کسی کتاب میں یونانی اور لاطینی زبانوں کا اقتباس بہت کم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جدید پیپربیک تراجم نے، خالص علمی نقطہ نظر سے محل نظر سہی، بیسویں صدی کے قارئین کو کلاسکس کا علم پہلے کی نسبت کہیں زیادہ مہیا کیا ہے - اس پر مستزاد یہ کہ یونانی اور لاطینی جاننے والے علماء ایک قلیل تعداد میں آج بھی موجود ہیں - ان وجوہ کی بنا پر خارجی تغیرات کے باوجود یورپ کا تہذیبی تسلسل آج بھی اسی طرح چلا آرہا ہے - میرے خیال میں پاکستان کو درپیش امور اس سے زیادہ مختلف نہیں - ایک طرف، کلاسیکی علماء کا ایک طبقہ ہم میں ضرور موجود ہونا چاہئے - دوسری طرف عربی اور فارسی سےنابلد عوام کو عظیم کلاسیکی تصانیف کے جدید معیاری تراجم ضرور مہیا ہونے چاہئیں - ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے موجودہ نصاب کلاسیکی زبانوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے - نتیجہ ظاہر ہے - جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ہم میں ایک مشترکہ ادبی میراث کا شعور مفقود ہے - یہ خیال کہ کلاسیکی زبانیں غیر ضروری ہیں عام ہو گیا ہے، خاص طور پر سائنس پڑھے ہوئے طبقے میں - لیکن ہم ایسی وفاداریاں اور وابستگیاں پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں جو وحدت کے اس احساس کا نعم البدل ہوں جو کلاسیکی زبانیں ماضی میں ہمیں دیتی رہی ہیں - کیوں کہ سائنسی علوم ان جذبات کی تخلیق یا پرورش نہیں کر سکتے جو قومیت کی بنیادوں میں کام آتے ہیں - ایک ایسا نظام تعلیم جو پاکستان میں مشترکہ وفاداریاں اور مشترکہ مقاصد تو پیدا نہ کرسکے لیکن قبائل کی تعداد میں اضافہ کرتا رہے، مفید نہ ہوگا - پاکستان کے مختلف علاقوں کو باہم متحد رکھنے کے لئے، مذہب کے بعد، عربی اور فارسی زبانیں مضبوط ترین رشتہ ہیں -

---